© rasailojaraid.com

زکوٰۃ کے مستحق کون ہیں؟

کیا زکوٰۃ علمی واشاعتی اداروں کو دی جاسکتی ہے؟

(۵)

مولانا محمد شہاب الدین ندوی، فرقانیہ اکیڈمی، بنگلور

فی سبیل اللہ کے ایک سے زیادہ مصداق :-

(۱) :- اس لحاظ سے احادیث نبوی ﷺ کی صراحت کے مطابق تین قسم کے لوگ فی سبیل اللہ میں داخل ہوگئے ، (۱) حج کرنے والے ، (۲) اللہ کی راہ میں جنگ کرنے والے جو دین وملت کی مدافعت میں لڑتے ہوں ۔ (۳) علمی اعتبار سے دین وشریعت کا دفاع کرنے والے ، یعنی اہل علم ، اور اگلے مباحث سے ثابت کیا جائے گا ، کہ آخری دو قسم کے لوگ قرآن وحدیث کی تصریحات کی رُو سے جہاد فی سبیل اللہ میں شامل ہیں ۔ یہ دونوں طبقے ایک اعتبار سے اللہ کی راہ میں کام کرنے والے ہیں تو دوسرے اعتبار سے وہ مجاہد ہیں ۔ مگر قرآن اور حدیث کے حقائق کی رُو سے اصل جہاد علمی جہاد ہے ، جو ہمیشہ اور ہر دور میں جاری رہے گا ۔ جبکہ عسکری جہاد (غزوہ وقتال) کبھی کبھار (فتنہ وفساد کے موقع پر) فرض ہوتا ہے ۔

نیز اس کے علاوہ زیر بحث حدیث (لا تحل الصدقة الا لخمسة ...)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں۔ جدوجہد کرنا، کسی کام میں خوب مبالغہ کرنا، طاقت صرف کرنا وغیرہ مگر ان دونوں کا ایک اصطلاحی مفہوم بھی ہے۔ جس کی رُو سے فی سبیل اللہ کے معنیٰ ہیں، اللہ کی راہ میں جدوجہد یا جہاد کرنا۔ "مگر جہاد کے معنیٰ لازمی طور پر جنگ کرنے یا تلوار اٹھانے کے نہیں ہیں۔ بلکہ یہ لفظ "دو رُخی" ہے۔ اس کا ایک رُخ جنگ و جدل ہے تو دوسرا رُخ دین کا علمی دفاع اور دعوتِ اسلامی ہے۔ بالفاظِ دیگر جہاد کے دو پہلو ہیں، ایک عسکری (فوجی) اور دوسرا علمی و قلمی، چنانچہ قرآن و حدیث میں یہ فرق پوری طرح ملحوظ رکھا گیا ہے۔ جہاں پر یہ کہنا ہو کہ اللہ کی راہ میں جنگ کی جائے، تو وہاں پر لفظ جہاد کو چھوڑ کر ایک دوسرا لفظ "قتال" لایا جاتا ہے مثلاً۔

وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ: اور اللہ کی راہ میں جنگ کرو۔ (البقرہ: ۲۴۴)

فِئَۃٌ تُقَاتِلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَاُخْرٰی کَافِرَۃٌ: ایک گروہ اللہ کی راہ میں لڑتا ہے اور دوسرا کافروں کا ہے۔ (آلِ عمران: ۱۳)

اس کے برعکس دیکھیے جہاں پر جہاد کا لفظ لایا جاتا ہے، وہاں پر اس سے مراد لازمی طور پر جنگ کرنا نہیں ہوتا۔

یَآ اَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَابْتَغُوْٓا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ وَجَاہِدُوْا فِیْ سَبِیْلِہٖ: اے ایمان والو اللہ سے ڈرو، اور اس کا قرب تلاش کرو، اور اس کی راہ میں جہاد کرو۔ (مائدہ: ۳۵)

وَجَاہِدُوْا فِی اللّٰہِ حَقَّ جِہَادِہٖ: اور اللہ کی راہ میں جدوجہد کرو جیسا کہ اس کا حق ہے۔ (حج: ۷۸)

فَلَا تُطِعِ الْکٰفِرِیْنَ وَجَاہِدْہُمْ بِہٖ جِہَادًا کَبِیْرًا: پس تو کافروں کا کہنا مان بلکہ اس (قرآن) کے ذریعہ ان کا مقابلہ زور و شور سے کر۔ (فرقان: ۵۲)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گو غازی کا لفظ موجود ہے مگر اس سے صرف جنگ کرنے کے معنی کہاں ثابت ہوتے ہیں۔ کیونکہ غزوہ سے اصل مقصود دعوت اسلامی ہے، جیسا کہ یہ بات متعدد روایتوں سے ثابت ہوتی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر دعوت کے کوئی بھی غزوہ نہیں کیا۔ اس اعتبار سے دعوت اسلامی اصل ہے، جو جہاد کا اصل مقصد اور اس کی صحیح روح ہے۔ اور خود حدیث، فقہ اور لغت کے ماہرین نے بھی اس سے یہی مراد لیا ہے کہ "لسانی جہاد" اصل ہے اور "جسمانی جہاد" کا نمبر بعد میں آتا ہے۔ لہٰذا حدیث مذکورہ سے اگر جہاد و غزوہ ہی مراد لیا جائے۔ تو کوئی خاص فرق نہیں پڑتا اور معترض کا دعویٰ کسی بھی طرح ثابت نہیں ہو سکتا۔

اور لفظ جہاد سے صرف عسکری جہاد مراد لینا اور علمی جہاد کا انکار کرنا ایک مغالطہ ہے، کیونکہ قرآن اور حدیث دونوں علمی جہاد کی تصدیق و تائید سے بھرے ہوئے ہیں۔ اور اس سلسلے میں فیصلہ کن بات امام بخاریؒ کی تصریح ہے جن کے نزدیک لفظ جہاد سے "جہاد" مراد ہوتا تو درکنار خود لفظ "قتال" (غزوہ و جنگ) سے بھی عسکری (فوجی) جہاد مراد ہونا ضروری نہیں ہے۔ اس کی تفصیل اپنے موضوع پر آئے گی۔ ایسے ہی موقعوں کے لئے علامہ اقبالؒ نے کہا ہے۔ ؎

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہانِ حرم بے توفیق

غلط فہمی کی اصل وجہ:-

۱۱۔ یہ ساری غلط فہمیاں شعوری یا غیر شعوری طور پر فی سبیل اللہ اور جہاد کے صحیح مفہوم کو نہ سمجھنے کا نتیجہ ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ فی سبیل اللہ اور جہاد کے الفاظ کا ایک لغوی مفہوم ہے اور دوسرا اصطلاحی۔ فی سبیل اللہ کے لغوی معنی ہیں "اللہ کے راستے میں" یا کوئی بھی کارِ خیر جو اللہ کی طرف لے جائے۔ اور جہاد کے لغوی معنی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس موقع پر جہاد سے متعلق جو تین آیتیں پیش کی گئی ہیں، ان میں سے پہلی دو میں میدان عمل میں عمومی جد و جہد مراد ہے۔ اور تیسری آیت (فرقان والی) میں علمی جد و جہد مقصود ہے۔ اس موضوع پر مزید تفصیل آگے آرہی ہے۔

اس کا حاصل یہ ہوا کہ اللہ کی راہ میں کیا جانے والا ہر قتال، جہاد ہو سکتا ہے۔ مگر ہر جہاد کا قتال ہونا ضروری نہیں ہے۔ بلکہ جہاد کی ایک خاص شکل کا نام قتال یا تلوار اٹھانا ہے۔ جہاد تو ہر دور، ہر ملک، ہر جگہ اور ہر حال میں ہونا ضروری ہے۔ مگر اس کے برعکس قتال ہر دور، ہر ملک، ہر وقت اور ہر حال میں ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ یہ آخری چارۂ کار کے طور پر ہے۔ اور یہی مطلب ہے اس حدیث کا۔

اَلْجِهَادُ مَاضٍ مُنْذُ بَعَثَنِيَ اللّٰهُ اِلٰى اَنْ يُقَاتِلَ آخِرُ اُمَّتِي الدَّجَّالَ [1]

جہاد اس وقت سے جاری ہے جب کہ اللہ نے مجھے نبی بنا کر بھیجا ہے (یعنی نبوت کے پہلے ہی دن سے) جب تک کہ میری امت کا آخری فرد دجال کے ساتھ جنگ کرے۔

دیکھئے اس حدیث میں جہاد اور قتال دونوں الفاظ موجود ہیں۔ مگر ان دونوں کا مفہوم ایک نہیں ہے۔ بلکہ مفہوم یہ نکل رہا ہے کہ دجال کے ساتھ قتال (جنگ) ہونے تک جہاد (اس میں عسکری و علمی دونوں قسم کا جہاد مراد ہے) ہر حال میں جاری و نافذ رہنا چاہئے، ورنہ پھر جہاد کا معطل ہونا لازم آئے گا۔ کیونکہ قتالی جہاد عرصہ دراز سے معطل ہو کر رہ گیا ہے۔ جب کہ "الجہاد ماض" کا مطلب ابوداؤد کی شرح میں اس طرح ہے۔ حَادٍ وَنَافِذٌ، یعنی اس کو برابر جاری اور نافذ رہنا چاہئے۔ [2]

غرض اس کا مطلب یہ ہوا کہ دورِ رسالت سے لے کر دورِ دجال تک جہاد

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب الجہاد ۳/۴۰۔

[2] بذل المجہود فی حل ابی داؤد ۱۱/۲۲۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو ہر حالت میں جاری رہنا چاہئے۔ اب ظاہر ہے کہ بدنی وسیفی جہاد ایک عرصۂ دراز سے معطل ہو کر رہ گیا ہے، تو اس کا نعم البدل لسانی اور علمی وقلمی جہاد ہی ہو سکتا ہے۔ اور حالات کے تقاضوں کے تحت جس قسم کا جہاد ضروری ہو اسے اختیار کیا جا سکتا ہے مگر یہ نہیں ہو سکتا کہ ان دونوں قسم کے جہاد کو سرے سے معطل کر دیا جائے۔ اس قسم کی حرکت جہاد ہی کی حقیقت سے نہیں بلکہ خود دین وشریعت کی حقیقت سے بھی ناواقفیت کا ایک بیّن ثبوت ہوگا۔

نیز اس موقع پر ایک دوسری اہم حقیقت یہ بھی ملاحظہ ہو کہ اس حدیث کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جہاد اپنی بعثت کے ساتھ ہی مکی دور ہی سے فرض تھا۔ حالانکہ آپ نے مکی دور میں کبھی تلوار نہیں اٹھائی۔ بلکہ جہاد بالسیف مدنی زندگی میں جا کر فرض ہوا تھا۔ یہ ایک قطعی اور مسکت دلیل ہے اس بات کی کہ جہاد سے لازمی طور پر جنگ وجدال مراد نہیں ہے۔ ورنہ یہ حدیث بالکل مہمل اور بے معنی بن کر رہ جائے گی۔

غرض فی سبیل اللہ اور جہاد دونوں شرعی اصطلاحیں ہیں۔ جن میں محدود مفہوم کے بجائے وسیع مفہوم مراد ہے۔ جیسا کہ مختلف احادیثِ رسول سے ان کا مصداق بخوبی ظاہر ہو گیا۔ نیز اس بحث سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ راقم سطور کا نقطۂ نظر محض لغت کے پیچھے دوڑنا نہیں ہے (جیسا کہ معترض نے بلا سوچے سمجھے الزام عائد کرتے ہوئے بہتان تراشی سے کام لیا ہے) بلکہ قرآن اور حدیث کے مضبوط دلائل کا اتباع کیا ہے اب کس کی ہمت ہے کہ قرآن اور حدیث کے ان دلائل کو جھٹلائے؟ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝

حج فی سبیل اللہ میں شامل کیوں ہے؟

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۲:- اس موقع پر ایک اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جہاد عسکری اور جہاد علمی کی یہ اہمیت سمجھ میں تو آتی ہے۔ مگر حاجیوں کو زکاۃ کی رقم دینے یا کسی غریب آدمی کو خواہ مخواہ حج کرانے میں دین و ملت کا کیا فائدہ ہے؟ یہ سوال بہت معقول ہے جس نے بہت سے دانشورانِ اُمّت کو پریشان کر رکھا ہے۔ تو اس کا ایک مختصر جواب پچھلے صفحات میں گزر چکا ہے کہ حج میں نفس کا مجاہدہ کرنا، نفسِ امارہ کو مارنا اور قدم قدم پر مشقت سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ چنانچہ مناسک حج ادا کرتے کرتے جسم کے سارے کس بل نکل جاتے ہیں اور سارا جسم پوری طرح شل ہو جاتے ہیں۔ یہ جہاد کی تیاری کے لئے گویا کہ ایک عملی تربیت ہے۔ گویا کہ حج کے ذریعہ دراصل جہاد کی تیاری اور اس کی تربیت مقصود ہے کہ ایک مسلم و مومن دین و ملت کی خاطر اپنا سر ہتھیلی پر لئے میدانِ جہاد میں کودنے کے لئے ہمیشہ تیار رہے۔ جس کا عہد وہ خانۂ خدا میں حاضر ہو کر کر چکا ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ جب خانۂ خدا سے لوٹ کر اپنے مستقر پر واپس آتا ہے تو گویا کہ اپنے رب سے یہ عہد کر کے لوٹتا ہے کہ اب میں اپنی بقیہ زندگی اپنے مالکِ حقیقی کے اشاروں پر گزاروں گا۔ اور اس کے کسی بھی حکم سے سرِ مو بھی نہیں کروں گا۔ کیونکہ خانۂ خدا میں پہنچ کر اسے دنیا کی بے ثباتی کا بخوبی احساس ہو چکا ہوتا ہے۔

غرض ایک سچا مسلمان جب جذبۂ عبودیت سے سرشار ہو کر لوٹتا ہے [illegible] اور وہ محض اللہ ہی کے لئے جب [illegible] روح اور اسپرٹ [illegible] طرح پیدا ہو چکی ہے تو وہ اپنا مال [illegible] قربان کرنے سے بھی دریغ نہ کرے۔ ورنہ صاف ظاہر ہے کہ [illegible] بے جان رسوم سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتے۔ بلکہ ان کے ذریعے [illegible]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی قربانی اور دین کی سربلندی کا جذبہ پیدا کرنا مقصود ہے۔ یہ ہے "جہادی" نقطۂ نظر کا فلسفہ اور اس کا صحیح مقام، مگر موجودہ دور میں شعائرِ دین کے سارے مقاصد بدل گئے ہیں اور ان پر دنیوی منافع اور عاجلانہ فوائد کے حصول کا جذبہ غالب آ گیا ہے۔ لہٰذا ہر چیز بدل گئی ہے۔

اور اس کا دوسرا جواب جہاں تک بندہ نے غور کیا ہے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ اس حدکی رو سے ہر ایک غریب شخص کو حج کرانا مقصود نہیں، بلکہ اس سے خاص کر وہ اہلِ علم مستفید ہو سکتے ہیں جو دین کی صحیح سمجھ رکھنے والے اور دین و ملت کے خیر خواہ ہوں، اور ان کے حج کرنے میں مصالح عامہ کے نقطۂ نظر سے اہمیت ہو۔ ظاہر ہے کہ حج اسلام کے پانچ بنیادی ارکان میں سے نہ صرف ایک اہم رکن ہے بلکہ وہ ایک انفرادی نوعیت کا حامل بھی ہے۔ اسلام ایک جامع و مکمل دین ہے اور جب تک کوئی شخص اسلام کے اس بنیادی فریضے کو ادا نہیں کرتا، دین کی مکمل حقیقت و ماہیت اس کے ذہن میں نہیں آ سکتی۔ اس لحاظ سے بہت سے اہلِ علم ایسے ہوتے ہیں جو اسلام کی اس جامعیت کا مطالعہ علمی اعتبار سے کرتا، اور دین و شریعت کی باریکیوں کو سمجھنا چاہتے ہیں۔ مگر وسائل کی تنگ دامانی ایسا کرنے سے انہیں باز رکھتی ہے لہٰذا ایسے اہلِ علم کی مدد زکاۃ کی رقم سے کرنا چاہئے۔ تاکہ دین و ملت کے مصالح پورے ہوتے رہیں، نیز ایسے اہلِ علم اس فریضہ کو ادا کرکے نہ صرف لوگوں کو حج کے احکام اور اس کے فلسفے سے آگاہ کرتے رہیں، بلکہ انہیں اس کی ترغیب و تحریص بھی دلاتے رہیں، اور اس راہ کے نشیب و فراز سے بھی بخوبی آگاہ کرتے رہیں۔

واضح رہے کہ حج کے مسائل سے آگاہ ہونے کے لئے محض کتابیں پڑھ لینا کافی نہیں ہے۔ جب تک کہ آدمی خود حج نہ کرے اس پر حج کی صحیح نوعیت و کیفیت واضح نہیں ہو سکتی۔ اس اعتبار سے حج کی بہت زیادہ اہمیت ہے۔ الغرض

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

و مفلس علماء کا حج کرنا دین و ملت کی ایک بہت بڑی خدمت ہے۔ اس کی مصلحتوں کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے اور یہ مصلحتیں عقل کی تنگ ناپنے میں بہت کم آتی ہیں مگر غور و فکر کرنے والوں سے یہ حقائق پوشیدہ نہیں رہ سکتے۔ لہٰذا اللہ اور اس کے رسول کے احکام کا محض اپنی قلت فکر کی بنا پر استخفاف کرنا دین کی کوئی خدمت نہیں بلکہ دین و شریعت میں رخنے پیدا کرنا ہے۔

بہر حال اس نقطۂ نظر سے اگر غور کیا جائے تو صاف نظر آئے گا کہ غریب علماء کا حج کرنا اور کرانا بھی دراصل "علمی جہاد" ہی کی ایک قسم ہے۔ علمی جہاد کی بھی کئی شاخیں اور اس کے کئی بازو ہو سکتے ہیں۔ جن میں سے ایک اہل علم کا حج بھی ہے۔ حج دراصل جسمانی و علمی دونوں قسم کے جہاد کا مظہر ہے، اور اس راہ میں جو جسمانی مشقتیں پیش آتی ہیں ان کو وہی لوگ جان سکتے ہیں، جو اس فریضہ سے فارغ ہو چکے ہوں۔ اور مناسک حج کی ادائیگی سے جو تجربات اور جو علمی فوائد حاصل ہوتے ہیں اور دین و شریعت کے جو نکات منکشف ہوتے ہیں ان کا احاطہ کرنا بھی مشکل ہے۔ لہٰذا اس اعتبار سے یہ ایک جامع ترین عبادت ہے بیک وقت "جہاد" بھی ہے اور "علم" بھی، اسی بنا پر بعض حدیثوں میں حج کو جہاد قرار دیا گیا ہے۔

اَلْحَجُّ جِهَادٌ وَالْعُمْرَةُ تَطَوُّعٌ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حج جہاد ہے اور عمرہ نفل ہے[۱]

اور اسی بنا پر بعض حدیثوں میں حج کا مرتبہ جہاد کے بعد آتا ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ اَیُّ الْعَمَلِ اَفْضَلُ قَالَ اِیْمَانٌ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ

---

[۱]: ابن ماجہ ۲/۹۹۵۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قِيلَ ثُمَّ مَاذَا؟ قَالَ الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللهِ. قِيلَ ثُمَّ مَاذَا؟
قَالَ حَجٌّ مَبْرُورٌ -

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ افضل ترین عمل کون سا ہے؟ فرمایا کہ اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لانا، پوچھا گیا کہ اس کے بعد پھر کونسا عمل افضل ہے؟ فرمایا کہ اللہ کے راستے میں جہاد کرنا، پھر پوچھا گیا کہ پھر اس کے بعد کونسا عمل افضل ہے۔ فرمایا کہ حج مبرور۔ ؎۱

غرض حج ایک لحاظ سے جہاد ہے تو دوسرے لحاظ سے علم بھی ہے۔ گویا کہ وہ عسکری جہاد اور علمی جہاد کی آمیزش کا ایک عجیب وغریب نمونہ ہے۔ اور اس اعتبار سے حج کو فی سبیل اللہ میں شمار کرنا بڑی ہی حکمت وبصیرت کی بات ہے۔ مگر دین وشریعت کی گہرائیوں کا ادراک کئے بغیر ہر چیز کو محض سطحی اور سپاٹ نظروں سے دیکھنے والوں کو یہ ایک گورکھ دھندا معلوم ہوگا۔ ظاہر ہے کہ ایسے لوگ دین وشریعت کی گتھیاں سلجھانے کے بجائے انہیں اور زیادہ الجھا دیں گے۔

خلاصہ یہ کہ جن فقہاء اور اہلِ علم نے فی سبیل اللہ سے حج مراد لیا ہے۔ وہ شریعت کے نکتہ رس اور رازداران وحی الہٰی تھے۔ خاص کر راس المفسرین حضرت ابن عباس رضؓ اور راس المحدثین حضرت ابن عمرؓ جیسے پختہ کار صحابۂ کرامؓ نیز امام محمدؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور امام اسحاق بن راہویہؒ جیسے بابصیرت فقہاء ومحدثین، اور خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فتوے کے بعد کہ حج یقیناً فی سبیل اللہ میں شامل ہے۔ (فَإِنَّ الْحَجَّ فِي سَبِيلِ اللهِ) کس کی ہمت ہو سکتی ہے کہ قول رسولؐ کو جھٹلا کر

؎۱: بخاری حج ۱۴۱/۲، مسلم ایمان ۸۸/۱، نسائی حج ۱۲/۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کر اپنے ایمان کی خیر منائیے ؟ اور جیسا کہ گزر چکا خاتم المجتہدین امام شوکانیؒ نے اس سلسلے کی حدیثوں پر گفتگو کرنے کے بعد یہ فتوی دے کر کہ "زکوٰۃ کی رقم حاجیوں اور عمرہ کرنے والوں پر صرف کی جا سکتی ہے" اسے حجاج یا دا عالی بخشش دی ہے[۱۰۶]

بہر حال ؎

اثر کچھ خواب کا غنچوں میں باقی ہے تو اے بلبل
نوا را تلخ تر می زن چوں ذوق نغمہ کم یابی

حدیثِ نبویؐ کا ایک معجزہ :-

۱۲ :- بحث چل رہی ہے اس حدیث پر کہ "ایک مالدار شخص کو زکوٰۃ کی رقم کن حالتوں میں لینا چاہیئے" جو اد پر مختلف محدثین کے حوالے سے گزر چکی ہے اب دیکھیے حدیث نبویؐ کا معجزہ کہ یہی حدیث بعض دوسرے طریقوں سے بھی مروی ہے جن میں فی سبیل اللہ ہی کے ساتھ "غازی" کا لفظ بالکل موجود نہیں ہے۔ اس لحاظ سے اب یہاں پر ایک بالکل ہی نئی کہانی شروع ہوتی ہے۔ اور عجیب وغریب اسرار منظر عام پر آتے ہیں، جو علمی دنیا کی آنکھیں کھول سکتے ہیں۔ اس لحاظ سے قرآن تو قرآن خود حدیث نبویؐ کے "عجائب" اور "لَا تَنْقَضِیْ عَجَائِبُہٗ" کی رُو سے[۱۰۷] کی کبھی انتہا نہیں ہے۔ بہر حال اس سلسلے کی دیگر حدیثیں ملاحظہ ہوں چنانچہ خود ابوداؤد میں اس موضوع پر جو دوسری حدیث مذکور ہے وہ یہ ہے :-

لَا تَحِلُّ الصَّدَقَةُ لِغَنِيٍّ إِلَّا فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ، أَوِ ابْنِ السَّبِيْلِ أَوْ جَارٍ يَتَصَدَّقُ عَلَيْهِ فَيُهْدِي لَكَ أَوْ يَدْعُوكَ :- زکوٰۃ مالدا

---

۱۰۶ :- نیل الاوطار ۴/۲۳۸، ۲۳۹ھ۔

۱۰۷ :- قرآن کے عجائب کبھی ختم نہ ہو سکیں گے۔ ترمذی و دارمی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شخص کے لئے جائز نہیں ہے سوائے فی سبیل اللہ کے، یا مسافر ہونے کے، یا یہ کہ کوئی (غریب) پڑوسی کوئی صدقہ کی ہوئی چیز کو تجھے بطور ہدیہ دیدے، یا تجھے (صدقہ کی ہوئی چیز کے کھانے پر) مدعو کرے۔ ؎۷

اور حدیث وتفسیر کی دیگر کتابوں میں اس مضمون کی چار مزید روایتیں کچھ الفاظ کی کمی بیشی کے ساتھ اس طرح مروی ہیں۔

لَا تَحِلُّ الصَّدَقَةُ لِغَنِيٍّ إِلَّا أَنْ يَكُوْنَ لَهُ جَارٌ فَقِيْرٌ يَدْعُوْهُ فَيَأْكُلُ مَعَهُ، أَوْ يَكُوْنَ ابْنَ سَبِيْلٍ أَوْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ زکاۃ غنی کے لئے لینا جائز نہیں ہے بجز اس صورت کے کہ اس کا کوئی غریب پڑوسی ہو اور وہ اسے مدعو کرے تو وہ اُس کے ساتھ شریکِ طعام ہو جائے، یا یہ کہ وہ مسافر ہو، یا اللہ کی راہ میں ہو۔ ؎۸

تَحِلُّ الصَّدَقَةُ لِلْغَنِيِّ إِذَا كَانَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ: مالدار کے لئے زکوٰۃ لینا جائز ہے جبکہ وہ فی سبیل اللہ کے تحت ہو۔ ؎۹

اور امام ابن جریر طبریؒ نے بھی اسی معنی کی دو حدیثیں اپنی تفسیر میں بیان کی ہیں۔ جن سے معترض نے غلط انداز میں استدلال کیا ہے کیونکہ ابن جریر کی پیش کردہ دونوں روایتوں میں بھی اوپر کی روایات ہی کی طرح "غازی" کا لفظ سرے سے موجود نہیں ہے۔ لہٰذا معترض نے ان روایات کو پیش کرنے کی ہمت ہی نہیں کی بلکہ ان کا اجمالی تذکرہ کر کے خاموشی کے ساتھ گزر گئے ہیں۔ ؎۱۰ ابن جریر کی اس تعبیر

؎۷: ابوداؤد کتاب الزکاۃ ۲/۲۸۸، مطبوعہ حمص (شام)

؎۸: مسند احمد ۳/۴۰

؎۹: مسند ابوداؤد طیالسی، ص ۲۹۲۔

؎۱۰: دیکھئے ماہنامہ الفرقان، بابت اپریل ۱۹۸۸ء، ص ۳۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں بہت بڑا مجبول ہے جو ایک اچھا خاصہ معمہ معلوم ہوتا ہے۔ اس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

غرض اس موضوع پر مزید پانچ حدیثیں (یا پانچ روایات) ہو گئیں، جن میں "غازی" کا لفظ بالکل موجود نہیں ہے بلکہ ان روایات میں ایک عام بات کہی جا رہی ہے، جس کا تعلق غزوہ یا جہاد سے بالکل نہیں ہے۔ تو اب اس موقع پر ایک اہم علمی سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ بعض حدیثوں میں "غازی" کا لفظ تو موجود ہے مگر بعض میں سرے سے نظر انداز کر دیا گیا ہے؟ کیا اس موقع پر معاذ اللہ زبان نبوت سے کوئی خطا صادر ہو گئی ہے؟ اور اس میں حکمت و دانائی کی کوئی بات بھی دکھائی دیتی ہے؟ تو ظاہر ہے کہ ایک حکیم و دانا شخص کے کلام میں تناقض و تضاد نہیں ہو سکتا۔ بلکہ یہ بات کسی حکمت و دانائی ہی کے تقاضے کے تحت ہوگی، جو یقیناً وحی الٰہی کا کرشمہ ہو سکتا ہے۔

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ؛ اور وہ (رسول) اپنی خواہش سے کوئی بات نہیں کہتا، بلکہ وہ (جو کچھ کہتا ہے) وہ محض وحی کی بدولت ہے جو اس کے پاس آتی ہے۔ (نجم: ۳-۴)

وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ ؛ اور رسول لوگوں کو کتاب (قرآن) اور حکمت (حدیث) کی تعلیم دیتا ہے۔ (جمعہ: ۲)

اس اعتبار سے اس موقع پر حکمت و دانائی کی بات یہ ہے کہ ان روایات کے مطابق فی سبیل اللہ میں غازی (جنگ کرنے والا) سرے سے داخل نہیں ہے بلکہ ان حدیثوں کے مصداق دراصل وہ لوگ ہیں جو "غیر غازی" ہیں، طلبۂ دین، اہل علم اور دینی خدمت گار وغیرہ۔ (جیسا کہ پچھلے مباحث سے بخوبی ثابت ہو گیا ہے) یہ ایک منطقی نتیجہ ہے جو دو اور دو چار کی طرح بالکل صاف او

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

واضح ہے۔ اور اس میں کسی قسم کی کوئی معنوی پیچیدگی یا ہیر پھیر نہیں ہے، غرض ان حدیثوں کی رُو سے کوئی بھی شخص مالدار ہوتے کے باوجود غازی ہی کی طرح اس مد (سہم) سے مستفید ہو سکتا ہے اور اُس کے لئے محتاج (یعنی شرعی فقیر جو صاحب نصاب نہ ہو) کی شرط غیر ضروری ہے۔ اگر پہلی حدیث کو حجت مانا جائے، تو پھر ان پانچوں حدیثوں کو بھی حجت ماننا پڑے گا۔ جو مختلف طرق سے ثابت ہیں۔

نیز اسی حقیقت کو ثابت کرنے کے لئے غالباً وہ حدیث وارد ہوئی ہے جو ابن خزیمہ کے حوالے سے پچھلے صفحات میں گزر چکی ہے۔ جس کے مطابق لفظ "غازی" کی جگہ "عامل" کا لفظ لایا گیا ہے۔ چنانچہ اس موقع پر پیش کی گئی اجمالی اور مبہم حدیثوں کی تشریح و تفسیر "عامل" کے لفظ سے بخوبی ہو جاتی ہے اس کا حاصل یہ ہوا کہ فی سبیل اللہ میں "غیر غازی" بھی یقیناً و قطعاً داخل ہے۔ اور اس سے مراد حاجی، متعلم، معلم اور دین کی نشر و اشاعت کرنے والے علماء اور ان کے معاونین سبھی داخل و شامل ہیں۔ اور اس حقیقت کا انکار کرنا ان صاف و صریح حدیثوں کا انکار ہوگا۔ جو دو اور دو کی طرح چار ہیں۔

واضح رہے جس طرح "عاملین زکوٰۃ" (یعنی زکوٰۃ وصول کرنے والوں) کے تحت حضرت ابن عباس رضؓ کی تشریح کے مطابق ان کے معاونین و مددگار بھی داخل ہیں۔ جیسا کہ علامہ شوکانیؒ نے اس سلسلے میں صراحتاً تحریر کیا ہے۔

قال ابن عباسؓ ویدخل فی العامل الساعی والکاتب والقاسم والحاشر الذی یجمع الاموال، وحافظ المال والعریف؛ وھو کالنقیب للقبیلۃ، وکلھم عمال، لکن اشتھر الساعی والباقی اعوان لہ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ابن عباس رضؓ نے فرمایا ہے کہ عامل کے تحت زکاۃ وصول کرنے والا، حساب کتاب رکھنے والا، تقسیم کرنے والا، زکاۃ کا مال جمع کرنے والا، اس کی حفاظت کرنے والا، اور مجبر سب کے سب عُمّال کی حیثیت رکھتے ہیں، لیکن ان میں سب سے زیادہ مشہور وصول کرنے والا ہے، اور باقی سب اس کے مددگار ہیں[۱]
اس طرح مجاہدین (خواہ وہ عسکری ہو یا علمی) کے معاون و مددگار بھی اس مد میں بخوبی شریک ہو سکتے ہیں۔ اس طرح ہماری شریعت میں ہر مسئلے کا حل موجود ہے۔

فقہائے احناف کا ایک تناقض:-

۱۴۔ ماحصل خلاصۂ بحث یہ کہ قرآن مجید کی تصریح کے مطابق زکاۃ آٹھ قسم کے لوگوں کو دی جانی چاہیئے جس کا بیان پچھلے صفحات میں ہو چکا ہے۔ اور یہ آٹھوں مصارف اپنی جگہ مستقل اہمیت کے حامل ہوں گے۔ کسی نویں مد کا اضافہ نہیں ہوگا۔ البتہ احادیث رسولؐ کی تصریحات کے مطابق (جن کی حیثیت قرآن کی شرح و تفسیر کی سی ہے) فی سبیل اللہ میں توسیع ہوگی۔ یعنی اللہ کی راہ میں کام کرنے والوں میں جس طرح غازی اور حاجی داخل ہیں۔ اسی طرح ان میں طلبۂ دین، علماء اور دینی خدمت گار بھی شامل ہیں۔ پہلے دو طبقے وقت اور حالات کی مناسبت سے زیادہ مشہور رہے ہیں۔ جب کہ تیسرا طبقہ کم مشہور رہا ہے مگر ہماری فقہ و شریعت اس طبقہ سے بالکل ناواقف بھی نہیں ہے۔ فقہی تصریحات اگلے صفحات میں مذکور ہیں۔ جن سے اس بحث منضبط ہو جاتا ہے۔

---

[۱] نیل الاوطار از شوکانی ۴/ ۲۴۳

© rasailojaraid.com

واضح رہے فقہ کی تدوین زیادہ تر دوسری صدی ہجری میں عمل میں آئی ہے۔ اور حدیث کی تدوین (خاص کر صحاح ستہ کی) تیسری صدی میں ہوئی ہے۔ اس بنا پر ہو سکتا ہے کہ بہت سی حدیثیں ہمارے فقہائے کرام کے پیش نظر نہ رہی ہوں، جو بعد کے ادوار میں ظاہر ہوئیں (جیسا کہ محققین کی رائے ہے) مگر دورِ تقلید میں ہر مسلک والے اپنے اپنے ائمہ کے اقوال و آراء کو مضبوطی سے پکڑنے میں لگ گئے تو یہ حدیثیں اب تک شکوہ کناں نظر آ رہی ہیں۔ اے کاش کوئی ان حدیثوں کی طرف توجہ کرنے والا بھی ہوتا! مگر اب ایک معترض نے ایک غیر اصولی موقف اختیار کر کے اس کا ایک نادر موقع فراہم کر دیا ہے۔ لہٰذا امید ہے کہ اب ان مسائل کا ہمارے اربابِ فکر ایک جائزہ لے کر ان پر نئے سرے سے غور فرمائیں گے۔

بہر حال زیر بحث مسئلے میں قرآن مجید نے کوئی زائد شرط عائد نہیں کی [illegible] ان آٹھ مصارف کے سلسلے میں فلاں شخص میں فلاں وصف پایا جانا چاہیے۔ [illegible] حدیثوں نے بھی پوری صراحت کے ساتھ قرآن کے اس منشا کو واضح کر دیا ہے [illegible] ایسا غنی شخص (فقہ حنفی کی رُو سے صاحب نصاب) ہوتے ہوئے بھی عامل [illegible]، مقروض اور مسافر ہونے کی حالت میں زکاۃ کے مال سے مستفید ہو سکتا [illegible] یعنی اسے قانوناً اس کے اس حق سے روکا نہیں جا سکتا۔ کیونکہ اسے یہ [illegible] بغیر کسی شرط کے عطا کیا ہے۔ اور حدیث نبوی نے صراحتاً [illegible] کر کے منشائے خداوندی کو نمایاں کر دیا ہے۔ [illegible] اپنے حق سے دست بردار ہو جائے تو اور بات ہے۔ [illegible] تحت یہ بھی ملحوظ رہنا چاہیے کہ ہر صاحب نصاب [illegible] کی کیفیت یکساں نہیں ہوتی، بلکہ کوئی

© rasailojaraid.com

شخص مالک نصاب (جو ساڑھے سات تولے یا ساڑھے باون تولے چاندی یا اس کے مساوی قیمت کے تجارتی مال کا مالک ہو) ہوتے ہوئے بھی عیال دار ہونے کی بنا پر یا کسی اور وجہ سے زکوٰۃ کی رقم کا محتاج ہو سکتا ہے۔ مثلاً اپنے نوجوان لڑکیوں اور لڑکوں کے شادی بیاہ اور ان کے اچھے بُرے کے اخراجات وغیرہ۔ لہٰذا قرآن اور حدیث اس سلسلے میں پوری وسعت کے ساتھ ایسے افراد کو حالات کی بنا پر اجازت دیتے ہیں کہ وہ "صاحبِ نصاب" ہونے کے باوجود مال زکوٰۃ سے مستفید ہوں، اور پھر کوئی "مالدار" یعنی صاحبِ نصاب معیار کے اعتبار سے بڑا بھی ہو سکتا ہے اور چھوٹا بھی۔ یعنی کوئی مالدار ایسا بھی ہو سکتا ہے جو غریبی کے معیار سے کچھ ہی اوپر ہو، اگرچہ وہ صاحبِ نصاب (۷½ تولے سونے یا ۵۲½ تولے چاندی کا مالک) ہو۔ گویا کہ وہ ایک "تھرڈ کلاس" مالدار ہے تو کیا محض اتنے حقیر سے مال کا مالک ہو جانے کی بنا پر وہ کسی بھی حالت میں زکوٰۃ کا مستحق قرار نہیں دیا جا سکتا؟ ظاہر ہے کہ یہ معیار صحیح نہیں ہے۔ کسی شخص کا "صاحب نصاب" ہو جانا ایسا کوئی پیمانہ نہیں ہے کہ اس کی وجہ سے ہر شخص کو اس خدائی امداد سے محروم کر دیا جائے۔

مگر فقہائے احناف نے بلا وجہ "تداخل" سے کام لیتے ہوئے (یعنی ایک مد کو دوسری مد میں داخل کرتے ہوئے) یہ جو کہا ہے کہ اللہ کی راہ میں کام کرنے والوں کا محتاج (فقہ حنفی کی رُو سے وہ شرعی فقیر جو صاحب نصاب نہ ہو) ہونا ضروری ہے وہ ایک غیر معقول بات نظر آتی ہے۔ حالانکہ احناف عقل و رائے کے بہت بڑے دعویدار اور قیاس و اجتہاد کے ماہر تصور کئے جاتے ہیں۔ مگر اس مسئلے میں انہوں نے غیر معقولیت کا مظاہرہ کیا ہے۔ چنانچہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک طرف وہ تو زکوٰۃ کی آٹھ مدوں کے مستقل ہونے کا بھی دعویٰ کرتے ہیں تو دوسری طرف کچھ زائد شرطوں کا اضافہ کر کے انہیں معطل بھی کر دیتے ہیں۔ چنانچہ شارح ہدایہ علامہ کمال الدین بن ہمام معارف زکوٰۃ کی آیت اور اس کی شرح میں تحریر کرتے ہیں:۔

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ :۔ زکوٰۃ کے حقدار وہ لوگ ہیں جو محتاج ہوں اور جو مسکین ہوں، اور جو زکوٰۃ وصول کرنے والے ہوں، اور وہ لوگ جن کی دلداری مطلوب ہو، اور جن کی گردنیں چھڑانا ہو، اور جو قرض کے بار تلے دبے ہوتے ہوں، اور جو اللہ کی راہ میں ہوں، اور جو حالت سفر میں کسی مشکل میں پھنس گئے ہوں۔ (توبہ : ۶۰)

چنانچہ موصوف تحریر کرتے ہیں:۔

فَمَنْ كَانَ مِنْ هٰؤُلَاءِ الْأَصْنَافِ كَانَ مَصْرِفًا وَمَنْ لَا فَلَا، لِأَنَّ إِنَّمَا تُفِيدُ الْحَصْرَ، فَيَثْبُتُ النَّفْيُ عَنْ غَيْرِهِمْ

پس جو لوگ ان (آٹھ) قسموں میں شامل ہوں گے وہ مستحق زکوٰۃ ہوں گے اور جو ان میں شامل نہ ہوں گے وہ مستحق نہیں ہوں گے، کیونکہ اس آیت میں لفظ "إِنَّمَا" حصر کا فائدہ دے رہا ہے۔ اور اس حصر کی بنا پر ان کے ماسوا دوسرے لوگوں کی نفی ثابت ہوتی ہے۔[۹۳]

یہ قاعدہ بالکل صحیح اور معقول ہے اور ابو داؤد کی ایک حدیث سے بھی

---

[۹۳] :۔ فتح القدیر (شرح ہدایہ) ۲/ ۲۰۰ مطبوعہ پاکستان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کی تائید ہوتی ہے۔ چنانچہ ایک شخص جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر ہوکر زکاۃ کے مال میں سے کچھ طلب کیا تو آپ نے اسے جواب دیتے ہوئے

إن الله لم يرض بحكم نبيٍ ولا غيره في الصدقات حتى حكم فيها هو، فجزّأها ثمانية أجزاء، فإن كنت من تلك الأجزاء أعطيتك حقك :

اللہ نے صدقات (زکاۃ) کے بارے میں کسی نبی یا غیر نبی کے حکم (اس کی صوابدید) کو پسند نہیں کیا بلکہ بذات خود اس کا حکم دیتے ہوئے اسے آٹھ میں بانٹا ہے۔ لہٰذا اگر تو ان آٹھوں میں سے کسی قسم میں شامل ہے تو تیرا حق دے دوں گا۔ [۵۳]

مگر اس صحیح اصول کے باوجود احناف دوسری طرف یہ بھی کہتے ہیں کہ ان آٹھ قسم کے لوگوں میں سوائے عامل (زکاۃ وصول کرنے والے) کے تمام لوگوں کا فقیر (محتاج: یعنی وہ شخص جو صاحب نصاب نہ ہو) ہونا ہے۔ چنانچہ صاحب بدائع الصنائع تحریر کرتے ہیں۔

فسبب الاستحقاق في الكل واحد وهو الحاجة، إلا العاملين عليها. ان آٹھوں مصارف میں زکاۃ کے استحقاق کا واحد سبب فقر (فقر و احتیاج) ہے سوائے کارکنانِ زکاۃ کے۔ [۵۴] (جاری)

---

۵۳ سنن ابوداؤد کتاب الزکاۃ ۲/۲۸۱ (یہ حدیث ضعیف ہے)

۵۴۔ بدائع الصنائع از امام کاسانی ۲/۴۴، مطبوعہ پاکستان (کراچی)

© rasailojaraid.com